# انسان اور فطرت

آیت اللہ مرتضیٰ مطہری اس عظیم فلسفی کا نام ہے، جو کوئی بھی عمل انجام دینے سے قبل کافی غور و خوض کیا کرتے تھے۔ انقلابِ اسلامی کی کامیابی سے قبل آپ نے ایرانی قوم کے پاس انقلاب برپا کرنے کے لئے مادی وسائل کا جائزہ لیا اور امام خمینیؒ سے پیرس میں ملاقات کی۔ اس ملاقات میں آیت اللہ مطہری نے امام سے سوال کیا کہ آپ کے پاس کونسی طاقت ہے جس کی بنیاد پر آپ اتنی مضبوط حکومت سے ٹکرا رہے ہیں؟ امام نے قرآن مجید کی اس آیۂ کریمہ کی طرف متوجہ کیا جس میں خدا نے مستضعفین کو زمین پر حکومت دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس جواب کو سن کر آپ میں وہ نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی کہ رئیس الاحرار بن گئے اور ببانگ دہل نعرہ لگایا:

استقلال، آزادی، جمہوری اسلامی۔

طاغوتی طاقتوں نے اسلامی فلسفے کے اس عملی پہلو کو کچلنے کے لئے آتشی اسلحوں کے دہانے کھول دئے مگر اسلامی طپش نے طاغوتی نظام کو ایسا پگھلایا کہ امام نے اس کو ڈھال کر اسلامی نظام تشکیل دے دیا۔

اسلام نے اپنے ہدف کو حاصل کرنے کے لئے بیش بہا قربانیاں دی ہیں۔ اسی سلسلے میں رئیس الاحرار، عظیم دانش مند و مفکر، بلند پایہ پروفیسر و فلسفی آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہری کی قربانی بھی ہے۔ ۲ مئی کو تہران یونیورسٹی کے دروازے پر اس وقت جبکہ آپ طلبا کے ایک جلوس کی قیادت کر رہے تھے منافقین خلق کے دہشت گردوں نے گولی مار کر آپ کو شہید کر دیا۔

شہید مطہری کی تاریخ شہادت کے موقع پر "راہ اسلام" موصوف کا ایک مقالہ "انسان اور فطرت" پیش کر رہا ہے۔ اس مقالے سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ موصوف نے مغرب زدہ جوانوں کی اسلامی تربیت کے لئے کس روش کو اختیار کیا ہے:

(ادارہ)

## فطری خواہشات

فطریات کی دوسری قسم خواہشات انسانی ہیں۔ آیا انسان خواہشات کے بارے میں کچھ فطریات رکھتا ہے یا نہیں؟ اس کے تجزیہ و تحلیل کے لئے ہم انسانی خواہشات کو دو حصوں میں بانٹتے ہیں۔

۱. جسمانی خواہشات۔ ۲. روحانی خواہشات

## جسمانی خواہشات:

جسمانی خواہشات سے مراد وہ خواہشات ہیں جن کا لق صرف جسم سے ہوتا ہے جیسے بھوک لگنا۔ جو صرف م اور مادّہ سے متعلق ہے۔ یہ قوت عزیزہ سے مربوط ہے۔ ی اس کا تعلق انسان اور حیوان کے بدن کی بناوٹ اور اخت سے ہوتا ہے چنانچہ جب انسان کے جسم میں کھانا ہم ہو جاتا ہے اور اسے دوبارہ غذا کی ضرورت محسوس تی ہے۔ تو اس کے معدہ میں ایک قسم کا لعاب سا تا ہے۔ جس کی وجہ سے ایک مخصوص کیفیت احساس کی ورت میں انسان میں ظاہر ہوتی ہے۔ (خواہ انسان پنے معدہ کے بارے میں ایک بچے کی طرح سے کچھ جانتا ہو) انسان اپنی بھوک کے احساس کو ختم کرنے کے لئے کھانا کھاتا ہے۔ جب بھوک کا احساس ختم ہو جاتا ہے تو دوبارہ اسے غذا کی طرف رغبت نہیں ہوتی۔

شہوت اور بدن کے ہارمون میں محدود انسانی نسی خواہشات بھی بھوک کی طرح جسمانی خواہشات میں سے ہیں اور بے شک یہ خواہش بھی غریزی اور غیر مسابی ہے۔ اسی طرح کی جسمانی خواہشات میں سے ایک ‌اہش نیند ہے۔ خواہ نیند تھکن (خلیوں کی مسمومیت) جو یادہ کام کرنے کی وجہ سے اور توانائی کے خرچ ہو جانے ی وجہ سے پیدا ہوتی یا خواہ کچھ بھی سبب رہا ہو ر حالت میں انسان کی جسمانی ساخت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ن تمام جسمانی خواہشات کو عام طور سے غریزی امور سے بیر کرتے ہیں۔

اس وقت ہماری بحث جسم کے غریزی یا فطری امور سے نہیں ہے۔

## انسان کی چند امتیازی خصوصیات:

فطری خواہشات میں سے کچھ خواہشات ایسی ہیں ن کو ماہرین نفسیات امور روحی کے نام سے جانتے ہیں۔ ران سے پیدا ہونے والی لذتوں کو روحی لذتوں کے نام سے یاد کرتے ہیں جیسے اولاد سے محبت۔ یہ محبت غریزۂ جنسی کے ماسوا ایک حقیقت ہے۔ انسان چاہتا کہ وہ صاحب

> جسمانی خواہشات سے مراد وہ خواہشات ہیں جن کا تعلق صرف جسم سے ہوتا ہے جیسے بھوک لگنا۔ جو صرف جسم اور مادّہ سے متعلق ہے یہ قوت غریزہ سے مربوط ہے۔

اولاد بنے اولاد سے لطف اٹھائے جو لطف انسان اولاد سے اٹھاتا ہے وہ جسمانی لذات کے مشابہ نہیں ہوتی ہے۔ یعنی اس لطف کا تعلق کسی خاص عضو جسم سے نہیں ہوتا ہے۔

اسی طرح انسان میں انفرادیت اور بڑائی کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ اقتدار کا یہ جذبہ خواہشات روحی سے متعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ انسان اعلیٰ اقتدار رکھنے کے باوجود مزید اقتدار کی خواہش رکھتا ہے۔ اور لامتناہی اقتدار کا جذبہ اس کے دل میں باقی رہتا ہے۔ ایسی صورت میں خواہ پوری دنیا اس کے زیر نگیں آجائے مگر پھر بھی وہ مزید اقتدار کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ چاہتا ہے کہ اگر کسی دوسرے کرۂ ارض میں آبادی ہو تو اسے بھی اپنے قبضہ میں لے آئے۔

خواہشات روحی میں حقیقت پسندی، حقیقت جوئی کشف حقائق، علم دوستی، ہنر مندی، حسن پسندی، تخلیقی صلاحیت، فنی صلاحیت اور ان سب سے بڑھ کر عشق و پرستش کی خواہش شامل ہے۔

اب غور طلب یہ ہے کہ یہ خواہشات فطری ہوتی ہیں یا نہیں۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ فطری معلومات سے انکار کے نتیجہ میں ہم شک کی ہولناک گھاٹی میں گرفتار ہو گئے تھے۔ ایسا شک کہ جس کا نتیجہ سوفسطائی تھا اور علم و معرفت سے انکار بھی۔

دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہم انسان کے اس طرح کی خواہشات کو فطری تسلیم کرتے ہیں یا نہیں۔ اور ان کو فطری ماننے یا نہ ماننے سے کیا فرق پڑتا ہے۔

فطری معلومات کے سلسلہ میں جس طرح کچھ لوگوں نے اصول تفکر کا انکار کر کے اپنے ہی فلسفہ کی جڑ کو اکھاڑ پھینکا ہے۔ کیا یہاں بھی کچھ ایسے افراد ہیں جو فطری خواہشات سے انکار کر کے انسانیت کو اس کی جڑ سے اکھاڑ پھینکیں اور اس کے باوجود انسانیت، انسانیت کا گن گاتے ہوئے انسانیت کی شاخوں کو پکڑے رہیں، اور انھیں بھی شعور نہ ہو کہ انھوں نے خود اپنے انکار سے انسانیت کو اس کی جڑ سے اکھاڑ دیا ہے۔

## پہلا امتیاز :

جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ وہ چیز جو انسان میں بغیر شک و شبہ ثابت ہے۔ یہ ہے کہ انسان دیگر موجودات عالم سے کافی حد تک مختلف ہے۔

ان میں سے پہلا امتیاز یہ ہے کہ انسان ایک ایسا موجود ہے جو خارجی دنیا کا بھی شعور رکھتا ہے یعنی کائنات کے بارے میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ ایک صاحب فکر و نظر مخلوق ہے۔ یا جدید دور میں اسے یوں کہہ لیجئے کہ وہ اپنے آپ سے اور دنیا سے واقفیت رکھتا ہے جسے ادراک کے نام سے یاد کرنا بہت مناسب ہے۔

انسان سے بیرونی دنیا کے ارتباط اور اتصال کو دیکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب تک انسان علم نہیں رکھتا اور جاہل رہتا ہے اس وقت تک اس کے اور بیرونی دنیا کے درمیان جہالت اور لاعلمی کا ایک پردہ پڑا رہتا ہے اور معلومات کے اضافہ کے ساتھ ساتھ بیرونی دنیا سے اس کا رابطہ بڑھتا جاتا ہے۔ اس بیان کے پیش نظر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ انسان کی اس صفت اور خصوصیت میں جماد، نبات اور حیوان کوئی شریک نہیں۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کیا جا سکتا ہے کہ حیوانات بھی بیرونی دنیا کا محدود و مبہم علم رکھتے ہیں۔ مگر یہ بات بھی درست ہے کہ انسان کے مقابلہ میں ان کا علم بہت ہی کم ہے ان میں فکر کا فقدان ہے۔ اس لئے کہ فکر کی تعریف یہ ہے کہ حاضر معلومات کے ذریعہ غائب کا علم حاصل کیا جائے۔ مثال کے طور پر فرض کیجئے کہ کسی کو ہوشل میں کوئی پریشانی پیش آتی ہے اور راہیں مسدود ہونے کے باوجود وہ اپنی پریشانی کو دور کرنے کا طریقہ نکال لیتا ہے۔ اسی کو فکر کرنا کہتے ہیں جبکہ حیوان تفکر کی اس صفت سے بے بہرہ ہے۔ کیونکہ حیوان صرف حس کرتا ہے۔ جسے ہم سطحی مشاہدہ کہتے ہیں۔ یعنی جس طرح رنگوں کو ہم دیکھتے ہیں وہ بھی دیکھتا ہے۔ حرارت ہم محسوس کرتے ہیں وہ بھی محسوس کرتا ہے۔ اس طرح کے سطحی مشاہدات دونوں میں مشترک ہیں۔ مگر فکر انسان سے مخصوص ہے اور وہ مشاہدہ سے بالاتر ہے۔

## دوسرا امتیاز

انسان میں کچھ مخصوص رجحانات ہوتے ہیں۔ جن کو ایک طرف تو تقدس کا درجہ دیا جاتا ہے اور دوسری طرف ان ہی کو خود غرضی و خود خواہی پر مبنی بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہاں خود خواہی سے مراد ایسے رجحانات ہیں جو کسی فرد کے ساتھ مخصوص ہو جائیں۔ خود غرضی یا خود پسندی کا یہ عنصر حیوان میں بھی پایا جاتا ہے چنانچہ جس طرح حیوان غذا حاصل کرنا چاہتا ہے انسان بھی غذا حاصل کرنے کا

> انسان ایک ایسا موجود ہے جو خارجی دنیا کا بھی شعور رکھتا ہے یعنی کائنات کے بارے میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ ایک صاحب فکر و نظر مخلوق ہے۔

خواہشمند ہوتا ہے۔ انسان اگرچہ پہلے حیوان ہے بعد میں انسان ہے۔ اس کے باوجود اس میں کچھ ایسی باتیں ہوتی ہیں جو خود غرضی و خود پسندی پر مبنی نہیں ہوتیں۔ جنہیں خود انسان مقدس اور عظیم تصور کرتا ہے اور جس میں یہ مذکورہ رجحان جس قدر زیادہ ہوتا ہے اسے اسی قدر عظیم و برتر تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں حیوان میں جو رجحانات (جیسے کھانے، پینے، سونے، جاگنے کے) پائے جاتے ہیں۔ وہ یا تو خود غرضی اور مقصد برآری کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ یا غریزہ کے حدود میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً بقائے نسل جو توالد و تناسل میں محدود ہے۔ حیوان اپنے اس عمل میں طبعاً مجبور ہوتا ہے۔ حیوان کا یہ عمل اس کے اختیار و شعور کی بنیاد پر نہیں ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک گھوڑی نومولود بچے سے بے حد محبت کرتی ہے۔ چنانچہ جب آپ اس پر سوار ہو کر کہیں جانا چاہتے ہیں تو وہ اپنے بچے سے زیادہ دور نہیں ہونا چاہتی ہے اور ہمہ وقت اپنے بچے کے خیال میں رہتی ہے۔ چنانچہ ایسی گھوڑی جس کا بچہ دو سال کا ہو چکا ہو، ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ اپنے جواں سال بچہ کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ اس کی طرف کوئی میلان نہیں رکھتی بلکہ جب جب بچہ اس کے قریب آتا ہے وہ اسے مارتی ہے اور اپنے پاس سے دور بھگا دیتی ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ گھوڑی میں جو غریزہ پایا جاتا ہے۔ وہ صرف بچہ کی نگہداشت اور بقائے نسل تک محدود ہوتا ہے۔ لہٰذا جب بچہ بڑا ہو جاتا ہے تو اس کی نظر میں اس میں اور دوسرے میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

اسی طرح حیوانات جو مل جل کر اجتماعی زندگی گزارتے ہیں، ان کا یہ عمل ان کے انتخاب کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ وہ قدرت کی طرف سے اپنے اس عمل کے انجام دینے کیلئے مجبور پیدا کئے گئے ہیں جیسے شہد کی مکھی، بعض چھوٹی چیونٹیاں، ہرن وغیرہ اجتماعی زندگی گزارتے ہیں۔ ان کی

یہ زندگی قوت عزیزہ کی بنیاد پر اضطراری اور کسی حد تک نیم شعوری ہوتی ہے۔

مگر اس کے برخلاف انسان میں کچھ ایسے رجحانات پائے جاتے ہیں جنہیں ہم خود غرضی کے نام سے یاد نہیں کرسکتے۔ بالفرض اگر خود غرضی سے ان کی توجیہ کی بھی گئی ہے تو یقیناً یہ توجیہات قابل بحث و تردید ہوں گی اور دوسری بات یہ ہے کہ انسان میں یہ رجحانات انتخاب ارادہ اور آگاہی کی بنیاد پر ہوتے ہیں چنانچہ انسانیت انہی مقدس رجحانات سے عبارت ہے اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔

## روحانی اور مقدس رجحانات

دور جدید میں مختلف مکاتب فکر کے لوگ خواہ وہ الہٰی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہوں یا مادی یا مکتب شک کے ماننے والے ہوں۔ بہر نوع وہ ایسے مسائل پیش کرتے ہیں جن کا تعلق حیوانی مسائل سے بالا تر ہوتا ہے۔ ہم یہاں ان ہی مسائل کو پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اور دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ مسائل انسان کے لئے فطری ہیں یا نہیں۔ پھر فطری ہونے یا نہ ہونے' دونوں صورتوں میں ہم ان سے کیا نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں۔

یہ رجحانات جن کو مقدس اور برتر بتایا گیا ہے یا تو یہ صرف پانچ مقولوں پر منقسم ہیں یا ہم ان کے پانچ مقولوں سے آگاہ ہو سکے ہیں۔

## ۱۔ مقولۂ حقیقت جوئی:

انسان میں ایسا رجحان موجود ہے جس سے وہ چاہتا ہے کہ حقائق کو جیسے کہ کَمَا ھُوَ ہیں۔ ادراک کرے۔ اس رجحان کا نام تلاش حقیقت' دانائی یا خارجی دنیا کی جستجو ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ یہ ایک ایسا رجحان ہے جس میں حقائق کے دریافت و ادراک کا شوق چھپا ہوتا ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ کی دعاؤں میں سے ایک دعا ہے "اَللّٰھُمَّ اَرِنِی الْاَشْیَاءَ کَمَا ھِیَ" خدایا مجھ کو اشیاء کی حقیقت دکھلا۔ چنانچہ بنیادی طور پر جس کو ہم فلسفہ اور حکمت کہتے ہیں اس کا مقصود معرفت حقیقت اشیاء ہی ہے جیسا کہ بو علی سینا' فلسفہ کے غرض و غایت کے سلسلہ میں کہتے: صیرورۃ الانسان عالمًا عقلیًا مشابهًا للعالم العینی "فلسفی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فلسفی دنیائے عینی کے مانند عقل کی دنیا بن جاتا ہے۔ دنیا کا اس کی اصل حقیقت کے مطابق ادراک کرتا ہے اور سارے جہان کی تصویر عقلی بن جاتا ہے۔

فلاسفہ کی نظر میں حقیقت جوئی کمال نظری ہے۔ انسان فطرتاً چاہتا ہے کہ کمال نظری پیدا کرکے حقیقت کو پالے۔ اس وجہ سے اس میں تلاش و جستجو کا رجحان باقی رہتا ہے علم نفسیات میں اسے حس حقیقت جوئی یا حس کاوش کا نام دیا گیا ہے ماہرین نفسیات نے اس مسئلہ کو وسیع پیمانہ پر اس طرح بیان کیا ہے۔ کہ یہ رجحان وہی حقیقت جوئی ہے جو ایک بچہ میں تین سال کی عمر میں ہی پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے بچہ متجسس ہو جاتا ہے اور اطراف کی چیزوں کے بارے میں پوچھتا ہے۔ اور نادان والدین بچہ کے سوالات کو مہمل تصور کرتے ہیں ایسے والدین غلطی پر ہیں بچہ کو سوال کا حق حاصل ہے۔ بالفرض بچہ کوئی ایسی بات پوچھتا ہے جس کا جواب ماں باپ کے پاس نہیں ہے تو ایسی صورت میں انہیں جھڑکنا مناسب نہیں ہے بلکہ درست یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو بچہ کو مناسب جواب سے مطمئن کیا جائے۔

یا اسی طرح سے بہت سے کام جو بچہ کرتا ہے مثلاً ہر چیز کو چھوتا ہے گراتا ہے توڑتا ہے۔ اس موقع پر والدین یہ خیال کرتے ہیں کہ بچہ تخریبی ہے کیا سچ مچ بچہ طبعاً برا اور توڑ پھوڑ کرنے والا ہے۔ یا یہ ایک جستجو کا جذبہ ہے جو اسے ادھر ادھر کی چیزیں چھونے اور توڑنے پر مجبور کرتا ہے تاکہ پتہ لگائے کہ اس کا نتیجہ کیا ہے۔ اس کام کو ایک بڑا اس لئے نہیں کرتا کہ وہ جانتا ہے کہ اس کا نتیجہ کیا ہے۔ مگر بچہ انجان ہونے کی وجہ سے جاننے کے لئے اسی کام کو کرتا ہے۔

ابوریحان البیرونی کے بارے میں ایک دلچسپ واقعہ ہے کہ اس کی موت کے وقت اس کا فقیہ ہمسایہ اس سے ملاقات کے لئے آیا۔ ابوریحان نے فقیہ سے ایک مسئلہ پوچھا فقیہ نے تعجب سے دریافت کیا کہ یہ مسئلہ پوچھنے کا کونسا وقت ہے۔ تم تو بستر مرگ پر ہو؟ ابوریحان نے کہا کہ علم کے بعد مروں' یہ بہتر ہے یا بغیر جانے مر جاؤں یہ بہتر ہے؟ فقیہ نے مسئلہ بتایا اور اپنے گھر چلا گیا۔ ابھی وہ گھر میں داخل بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ ابوریحان کا انتقال ہوگیا۔

جن دانشوروں نے اس جذبہ کو اپنے اندر باقی رکھا اور جنہوں نے اس کی پرورش کی وہ ایک ایسی منزل تک پہنچ گئے کہ حقیقت اور دریافت سے جو لذت اور مزہ ان کو ملا وہ ان کے لئے تمام دوسری چیزوں سے بلند و برتر ثابت ہوا۔ چنانچہ مذکورہ واقعہ کی طرح سے ایک واقعہ جو سید محمد باقر اصفہانی سے منسوب کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ محترم موصوف اپنی شادی کے موقع پر دلہن کے پاس جانے کے بجائے مطالعہ میں اس طرح غرق ہوئے کہ صبح کردی۔ دوسری طرف دلہن ان کی آمد کی منتظر رہی۔ یہ حصول علم اور کشف حقیقت کا جذبہ ہی تو ہے جس نے ان کے شب زفاف کو شب مطالعہ میں بدل دیا۔

اس طرح کا شب زفاف کا ایک واقعہ پاسٹر (PASTER) سے متعلق بتایا جاتا ہے انھیں شب زفاف اپنی دلہن کے پاس جانے سے پہلے آدھے گھنٹے کی فرصت ملی چنانچہ اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے وہ اپنی لیبارٹری تجربہ میں مشغول ہو گئے' اپنے کام میں وہ اس قدر ڈوبے ہوئے تھے کہ رات گذر گئی اور انھیں احساس بھی نہ ہوا جب متوجہ ہوئے تو صبح ہو چکی تھی۔

لہٰذا اس میں تو شک نہیں کیا جا سکتا کہ کم یا زیادہ تلاش و جستجو کا جذبہ ہر آدمی میں موجود ہوتا ہے۔ البتہ یہ

(باقی ص ۳۱ پر)